

## مجوزہ نئی دینی تحریک: نوعیت اور حکمت عملی کی بحث

جناب محمد یوسف ایڈووکیٹ نے الشریعہ کے جون کے شمارے میں میرے اس مضمون پر تبصرہ کیا ہے جو الشریعہ پر اپریل ۲۰۱۰ء میں ایک نئی دینی تحریک کی ضرورت کے عنوان سے طبع ہوا تھا۔ اپنے اس مضمون میں انہوں نے راقم کے بارے میں جن تاثرات کا اظہار کیا ہے، ان میں سے اکثر اصلاح طلب ہیں اور غالباً اس کی وجہ ہمارے بارے میں ان کی ناکمل اور بالواسطہ طور پر حاصل شدہ معلومات ہیں کیونکہ ایک طویل عرصے سے ہماری ان کی کوئی بالمشافہ تفصیلی ملاقات نہیں ہوئی۔

جہاں تک زیر بحث موضوع کا تعلق ہے، انہوں نے مجوزہ نئی دینی تحریک کی حکمت عملی کی جزئیات کے حوالے سے جو باتیں لکھی ہیں، ہمیں ان سے اتفاق ہے مثلاً یہ کہ مجوزہ تنظیم کو جدید سائنٹیفک اصولوں پر منظم کرنا چاہیے، اس میں احتساب کا کڑا اہتمام ہونا چاہیے، یہ صاحب کردار اور باصلاحیت افراد پر مشتمل ہونی چاہیے، اسے کوششوں کی قبولیت نہیں ہونی چاہیے، اس کے قیام سے پہلے، ماقبل تحریکوں کی خامیوں کا تجزیاتی مطالعہ کرنا چاہیے، البتہ شوز پر کام کرنا چاہیے وغیرہ۔ تاہم ہمارے اور ان کے درمیان مجوزہ تحریک کی ضرورت، نوعیت اور بنیادی حکمت عملی کے حوالے سے بعض اصولی اختلافات موجود ہیں جن کا بنیادی سبب یہ ہے کہ وہ جماعت اسلامی سے اختلافات کے باوجود بنیادی طور پر سید مودودی کی تحریک کے فکری دائرے کے اندر رہتے ہوئے سوچتے ہیں جب کہ ہم اس دائرے سے باہر بیٹھے ہیں۔ اس بنیادی اختلافی سبب کی موجودگی میں اگرچہ یہ تو مشکل ہے کہ وہ معروضی انداز میں ہماری گزارشات پر غور کر سکیں یا ہمارے ان کے اختلافات ختم ہو سکیں، تاہم اس بحث سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ہم کوشش کریں گے کہ ہم جناب محمد یوسف صاحب کے اعتراضات کی روشنی میں اپنا نقطہ نظر مزید نکھار کر پیش کریں تاکہ وہ اور دیگر قارئین ہمارے نقطہ نظر کو بہتر طور پر سمجھ سکیں۔

۱۔ جناب محمد یوسف صاحب کی رائے یہ ہے کہ تعمیر سے پہلے تخریب ضروری ہے اور نئی تحریک کھڑی کرنے سے پہلے ضروری ہے کہ پہلی جماعتوں کی تغلیط کی جائے اور ایسا نہ کرنے کو وہ مدہ انت، منافقت اور بزدلی سمجھتے ہیں۔ ان کی اس سوچ کے پیچھے وہ تحریکی فکر کا رفرما ہے جو نئی جماعت کو اصولی جماعت سمجھتی ہے جو تنہا 'حق' کی علمبردار ہوتی ہے اور اس کے باہر جو کچھ ہوتا ہے، وہ یا تو باطل اور گمراہی ہوتی ہے یا کم از کم غلطی اور غلط فہمی۔

☆ ہماری رائے اس کے برعکس یہ ہے کہ مسلم معاشرہ پچھلے چودہ سو سال سے قائم ہے جو اسلام کو اپنا دین سمجھ کر اس پر عمل کی کوشش کر رہا ہے۔ دین کے فہم اور اس پر عمل و اطلاق میں افراد امت میں کچھ کمی اور کجی ہو سکتی ہے جس کے لیے

\* سیکرٹری ملی مجلس شرعی و صدر تحریک اصلاح تعلیم، لاہور

اصلاحی کوششوں کی ضرورت ہے، (ہماری دینی روایت میں انہیں امر بالمعروف و نہی عن المنکر، تبلیغ و تزکیہ اور دعوت و اصلاح وغیرہ کہا جاتا ہے)۔ یہ اصلاحی کوشش سیاست میں بھی ہو سکتی ہے، تعلیم میں بھی، اخلاق میں بھی اور کسی دوسرے شعبہ زندگی میں بھی (اس کام کو کس سطح پر، کس انداز میں، کتنا اور کیسے کرنا ہے، یہ اجتہادی اور تدبیری امور ہیں)۔ جناب محمد یوسف صاحب نے غور نہیں فرمایا کہ ہم نے اس کام کے لیے وہ اصطلاحات استعمال نہیں کیں جو ان کے ہم فکر احباب کرتے ہیں (جیسے اسلامی انقلاب، اقامت دین، حکومت الہیہ وغیرہ) کیونکہ ہم سمجھتے ہیں کہ قرآن حکیم میں اللہ تعالیٰ نے واضح طور کئی جگہ پیغمبروں کا مقصد بعثت یہ بتایا ہے کہ وہ تعلیم و تزکیہ کے ذریعے لوگوں کی اصلاح کی کوشش کرتے ہیں، دیکھئے مثلاً سورۃ الاعلیٰ (آیت ۱۶۳-۱۶۴) جس میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ صحف ابراہیمؑ و موسیٰؑ میں ہم نے یہی حکم دیا تھا کہ فلاح وہی پائے گا جس نے اپنے نفس کا تزکیہ کیا اور ذکر و نماز کا راستہ اختیار کیا۔ حضرت ابراہیمؑ نے تعمیر کعبہ کے وقت اللہ سے دعا کی کہ اے اللہ! اس گھر کے ماننے والوں میں ایسا رسول بھیجو جو ان کی تعلیم و تزکیہ کے لیے کام کرے (البقرہ ۱۲۹)۔ حضرت موسیٰؑ کو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ فرعون کے پاس جاؤ جس نے سرکشی کا راستہ اختیار کر لیا ہے اور اسے (بیار و محبت سے) سمجھاؤ تاکہ اسے تزکیہ نفس کی ضرورت کا احساس ہو (النازعات ۱۸)۔ حضرت شعیبؑ کے حوالے سے فرمایا کہ انہوں نے اپنی قوم سے کہا کہ میں مقدور بھر تمہاری اصلاح ہی تو کرنا چاہتا ہوں (ہود ۸۸) اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے کار نبوت کے بارے میں تین جگہ قرآن حکیم میں فرمایا کہ یہ تعلیم کتاب و حکمت اور تزکیہ نفس ہے (البقرہ ۱۵۱، آل عمران ۱۶۴، الجمعہ ۲)۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ختم نبوت کے اعلان کے بعد امت مسلمہ کی بھی یہی ذمہ داری لگائی کہ وہ امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا کام کرے (آل عمران ۱۰۴) اور انداز کرے (التوبہ ۱۲۲)۔

چنانچہ انبیاء کرام کو یہی لائحہ عمل دیا گیا تھا کہ جو لوگ ان کی بات مان لیں، انہیں وہ اللہ کے رستے پر چلائیں اور اگر معاشرے کی معتد بہ اکثریت اسلام قبول کر لے تو ان کی اجتماعی زندگی (یعنی ریاست و حکومت) بھی احکام الہی کے مطابق منظم کریں۔ الحمد للہ! کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہؓ نے جو معاشرہ قائم کیا، وہ تب سے قائم چلا آ رہا ہے اور آج بھی قائم ہے اور مسلمان اس میں دین اسلام پر عمل کی کوشش کرتے ہیں۔ کبھی حکمران نیک ہوتے ہیں تو کبھی برے۔ عام افراد معاشرہ بھی اسلام پر عمل کرنے میں کبھی مستعدی دکھاتے ہیں اور کبھی ان میں کمزوریاں درآتی ہیں۔ علماء و صلحاء، حکمرانوں اور عوام کی اسلامی تناظر میں اصلاح کی کوشش کرتے رہتے ہیں۔ غرض یہ کہ ہمارے نزدیک علماء کرام اور دینی عناصر/دینی جماعتوں/تحریکوں کا بنیادی کام تعلیم و تزکیہ کے ذریعے مسلم عوام و خواص کی اصلاح ہے۔

☆ عصر حاضر میں اسلام کے لیے کام کرتے ہوئے جس بنیادی مسئلہ کا ہمیں سامنا کرنا پڑتا ہے، وہ یہ ہے کہ آج اسلام اور مسلمان مغلوب ہیں اور مغرب کی طحانہ فکر و تہذیب اور اس کے علمبردار ممالک دنیا میں غالب اور بالادست ہیں اور جب انہوں نے مسلم ممالک کو غلام بنایا تھا تو مسلمانوں کی قلبی و ذہنی تبدیلی کے لیے کامیاب کوششیں کی تھیں۔ آج اسلام پر عمل کرتے ہوئے اور اسلام کے لیے کام کرتے ہوئے جو چیلنج ہمیں درپیش ہے، وہ یہ ہے کہ طحانہ مغربی فکر و تہذیب کے حوالے سے ہمارا رد عمل کیا ہو اور اسلام کی کس تعبیر کے مطابق ہم کام کریں؟ ہم نے الشریعہ (شمارہ نومبر دسمبر ۲۰۰۸) میں اس موضوع پر کلام کرتے ہوئے مغرب کے خلاف مسلم رد عمل کو چار انواع میں تقسیم کیا تھا: ۱۔ مرغوبیت ۲۔ مفاہمت ۳۔ صرف نظر؛ اور ۴۔ مزاحمت۔

منہج مرحومیت کے بانی حکمرانوں میں سے مصطفیٰ کمال اتاترک اور رضا شاہ پہلوی تھے جنہوں نے مغربی طرز زندگی کو جبراً مسلم معاشرے میں نافذ کرنے کی کوشش کی اور علماء میں سے برصغیر میں سرسید احمد خان اور امیر علی سے لے کر پاکستان میں غلام احمد پرویز تک اس میں شامل ہیں جنہوں نے اسلام کی کانٹ چھانٹ کر کے اسے مغربی فکر و تہذیب کے مطابق بنانے کی کوشش کی۔

مفاہمت کے منہج کی حامل جدید دینی تحریکیں تھیں (مجملہ دوسرے دینی عناصر کے) جیسے جماعت اسلامی و اخوان المسلمون وغیرہ جنہوں نے مغرب کی کافرانہ جمہوریت میں چند اسلامی تبدیلیاں کر کے اسے مشرف بہ اسلامی جمہوریت کیا اور مغرب کے کافرانہ سرمایہ دارانہ نظام کی علمبردار بن گئے۔ میں چند اسلامی تبدیلیاں لاکر اسے مشرف بہ اسلامی بن گئے، کیا مغرب کے کافرانہ نظام تعلیم و تربیت میں اسلامیات لازمی جیسے بعض اضافوں سے نظام تعلیم ان کے لیے اسلامی اور قابل قبول ہو گیا۔ و قس علی ذلک۔ لیکن اس کا نتیجہ کیا نکلا ہے؟ یہ کہ اسلام کے سیاسی اصول پاکستان کی سیاست سے، اسلام کی معاشی برکات اس کی معیشت سے اور اسلام کے تعلیمی اصول اس کے نظام تعلیم و تربیت سے اس طرح غائب ہو گئے ہیں جیسے گدھے کے سر سے سینک۔ اور مغربی فکر و تہذیب اور اس کے اصول و اقدار پاکستانی معاشرے میں سکہ رائج الوقت کی حیثیت اختیار کر گئے ہیں۔ ان تحریکوں کا تصور دین درحقیقت مغرب کے فکری و تہذیبی غلبے کا رد عمل ہے اور رد عمل کبھی متوازن نہیں ہو سکتا چنانچہ سیاسی شعبے میں اصلاح کے دینی کام کو ان تحریکوں نے پورا دین اور اسلام کو ایک تحریک، نظام حیات اور طرز زندگی بنا کر پیش کیا اور فرد اور معاشرے کی اصلاح کے ذریعے تبدیلی لانے کی بجائے انقلاب امامت یعنی حکومتی تبدیلی اور اسلامی قانون سازی کو اس کا بنیادی ذریعہ قرار دے دیا۔

مغرب کی لحدانہ فکر و تہذیب سے صرف نظر کی پالیسی اختیار کرنے والوں میں تبلیغی جماعت، دینی مدارس اور مولانا وحید الدین خان وغیرہ شامل ہیں جنہوں نے دین کو محض تبلیغ و دعوت اور عبادات و اخلاق تک محدود کر کے اجتماعی زندگی کو اس سے باہر سمجھ لیا۔ گویا دین کا اجتماعی، سیاسی اور تہذیبی غلبہ ان کے نزدیک مطلوب ہی نہیں۔

مزامت کے منہج میں ہم نے جماعۃ التکفیر و الہجورہ، حزب التحریر، القاعدہ اور پاکستانی طالبان کا ذکر کیا تھا اور کہا تھا کہ ان تحریکوں نے مسلم حکمرانوں کے خلاف ہتھیار اٹھا کر، جب کہ ان کی کامیابی کا کوئی امکان نظر نہیں آتا، اہل سنت کے اس اجماع کی خلاف ورزی کی ہے جس پر امت شہادت حسینؑ و عبداللہ بن زبیرؑ کے بعد عامل ہو گئی تھی اور پچھلے تیرہ سو سال سے اس پر عامل ہے کہ غیر صالح مسلم حکمرانوں کے خلاف عملاً خروج اس وقت تک نہ کیا جائے (اگرچہ دیگر شرعی شرائط پوری ہو رہی ہوں) جب تک کہ کامیابی کا واضح یقین نہ ہو کیونکہ خروج و بغاوت سے مسلم معاشرہ انتشار و عدم استحکام کا شکار ہو جاتا ہے لہذا اسٹم کے اندر رہتے ہوئے اس کی اصلاح کی کوشش کی جائے۔ جہاں تک کفار کے خلاف مزامت کا تعلق ہے تو اس کے جہاد ہونے میں کلام ہو سکتا ہے؟

☆ جناب محمد یوسف صاحب خوش ہور ہے ہوں گے کہ ہم ان کی دی ہوئی لائن پر چل پڑے ہیں اور ہم نے نئی تحریک کی فکر دینے سے پہلے، ماقبل کی تحریکوں پر کلہاڑا چلانا شروع کر دیا ہے۔ حقیقت اس کے برعکس ہے۔ جماعت اسلامی انسانوں کی جماعت ہے۔ اس میں کمزوریاں ہو سکتی ہیں، لیکن کیا اس میں کوئی خوبیاں نہیں؟ کیا اس کا کوئی مثبت کردار اور کارنامے نہیں؟ ایک ناانصاف شخص ہی جماعت اسلامی کے نظم و ضبط، اس کے کارکنوں کی دیانت و محنت، اسلامی آئین و

توانین کی تشکیل میں اس کے مثبت کردار اور ریاست و معاشرے کو اسلام کے مطابق چلانے کے لیے اس کی کوششوں کا انکار کر سکتا ہے۔ تو جماعت اسلامی میں خوبیاں ہیں، اس نے ایک خلا کو پُر کیا ہے اور بہت سارے امور میں تعمیری کردار ادا کیا ہے۔ یہی حال تبلیغی جماعت کا ہے۔ وہ بھی انسانوں کی جماعت ہے اور اس میں بھی کمزوریاں موجود ہیں، اس کے چلانے والے بھی فرشتے نہیں لیکن کیا معاشرے میں اس کا کوئی تعمیری کردار نہیں؟ کیا یہ معمولی بات ہے کہ اس نے لاکھوں کروڑوں لوگوں کو دین کے راستے میں متحرک کر دیا ہے اور ان کی زندگیاں بدل دی ہیں اور کسی نام و نمود اور شہرت کے بغیر اس کی قیادت اتنا بڑا دینی کام کر رہی ہے! کیا اس نے ایک خلا پُر نہیں کیا؟ کیا اس کے تعمیری کردار سے چشم پوشی کی جاسکتی ہے یا اس کا انکار کیا جاسکتا ہے؟ یہی حال دوسری جماعتوں کا ہے۔

تو آخر ہم کیوں سوچیں کہ ہم نے ضرور ہی ان کی نفی کرنی ہے، ان میں کیڑے ڈالنے ہیں اور ان کو مٹا کر ان کی جگہ لینے ہے۔ جو اچھا کام یہ جماعتیں کر رہی ہیں، انہیں کرنے دیجئے اور جو اچھے کام وہ بوجہ نہیں کر پار ہیں، وہ آپ کرنا شروع کر دیجئے۔ لہذا مجوزہ تحریک کو کسی معاصر جماعت کا حریف بننے کی ضرورت ہی نہیں۔

۲۔ جناب محمد یوسف صاحب کی مخصوص تحریکی فکر انہیں اس پر مائل کرتی ہے کہ وہ سیاسی شعبے کے علاوہ دین کے دوسرے شعبوں میں کام کرنے والوں کو گوشہ عافیت، علمی جدوجہد اور میدان عمل سے دوری کے طعنے دیں، حالانکہ اگر وہ غور فرمائیں تو آسانی سمجھ سکتے ہیں کہ دین کے چار بڑے شعبے ہیں: ایمانات، عبادات، اخلاقیات اور معاملات۔ معاملات کے بیسیوں شعبوں میں سے ایک شعبہ سیاسیات کا ہے۔ گویا سیاسی شعبہ دین کا مثلاً بیسواں حصہ ہے۔ ہماری خرابی دراصل یہ ہے کہ ہم میں سے جو دین کے کسی ایک شعبے میں کام کر رہا ہے، وہ اسے کل دین بنا دینے پر مصر ہے۔ حالانکہ اس کی کوئی ضرورت نہیں۔ اصل مقصود تو اللہ کو راضی کرنا ہے، دین کی خدمت کرنا ہے خواہ وہ جس شعبے میں بھی ہو اور جتنی بھی ہو سکے لہذا جو آدمی دین کے سیاسی شعبے کی اصلاح کی کوئی خدمت انجام دے رہا ہے، وہ بہت اچھا کام کر رہا ہے۔ اسی طرح جو آدمی شعبہ تعلیم کی اصلاح کی کوشش کر رہا ہے، وہ بھی نیک کام کر رہا ہے، اس کا کام بھی قابل تحسین ہے اور جو آدمی معاشی شعبے کی اصلاح کے لیے کوشاں ہے، وہ بھی بہت نیک کام کر رہا ہے۔ لہذا کسی ایک شعبے کی اصلاح کے کام کو عین دین اور دوسرے شعبوں کے کام کو حقیر سمجھنے کا کوئی جواز نہیں۔ ہماری اپدوچ یہ ہے کہ جو جس شعبے میں بھی دین کی خدمت کے لیے کوشاں ہے وہ قابل تحسین ہے۔ اس کے کام کی بہتری اور کامیابی کے لیے دعا گو ہونا چاہیے اور ہو سکتے تو اس کے ساتھ تعاون کرنا چاہیے اور اگر اس کی رائے میں کوئی دوسرا شعبہ زیادہ کام کا مستحق ہے تو وہ اپنے حسبِ ذوق و صلاحیت اس شعبے میں کام کرے، لیکن دوسروں کے لیے خیر خواہی کے جذبات رکھنے میں کیا امر مانع ہے کہ فرمانِ رسول تو 'الدين النصيحة' ہی کا ہے خواہ آدمی کی جو بھی پوزیشن ہو۔

۳۔ جناب محمد یوسف صاحب کو ہماری اتحادی مساعی بھی تحریکی دائرے میں ناکامی کا رد عمل اور ایک گونہ فرار محسوس ہوتی ہیں حالانکہ مسلمانوں میں اتحاد شرعی تقاضا بھی ہے اور ان کی دینی و دنیوی ضرورت بھی۔ آج ہماری کمزوری ہی یہ ہے کہ ہر آدمی صرف اپنے موقف کو واحد حق قرار دینے پر مصر ہے جب کہ اصل اہمیت اس چیز کی ہے کہ واعتصموا بحبل اللہ جمیعاً ولا تفرقوا، کارویہ اپنایا جائے لیکن ہم نے اپنے اپنے فقہی و کلامی مسلک کو دین بنا رکھا ہے اور اپنے اپنے جزوی کام کو کل دین قرار دینے پر مصر ہیں۔ نتیجہ یہ ہے کہ امت کا اتحاد پارہ پارہ ہو چکا ہے۔ پھر یہ بھی ہے کہ اجتہاد اور تدبیر

کے نام پر ایسا موقف اختیار کیا جاتا ہے جو ہمیں اسلام کے مرکزی دھارے یا اس کی مین اسٹریم سے کاٹ دیتا ہے۔ ظاہر ہے یہ یروہ مسلم معاشرے کے اتحاد کو نقصان پہنچاتا ہے۔ دینی مفاد کے لیے نئی تحریک/جماعت/تنظیم/ادارہ قائم کرنے میں کوئی حرج نہیں بشرطیکہ یہ مین اسٹریم اسلام کا حصہ رہے اور ڈیڑھ اینٹ کی الگ مسجد نہ بن جائے۔

۲- اب آئیے جناب محمد یوسف صاحب کے اس نکتے کی طرف کہ ہم اپنے مضمون میں ایک نئی دینی تحریک کی ضرورت اور جواز ثابت ہی نہیں کر سکے اور ہماری کاوش محض پہلے کام کی نقالی ہے۔ عرض یہ ہے کہ ایک نئی دینی تحریک کا تصور دینے کا عمل خود یہ واضح کرتا ہے کہ یہ مجوزہ تحریک کوئی خلا پر کرنا چاہتی ہے اور کوئی ایسا کام کرنا چاہتی ہے جو پہلے نہیں ہو رہا۔ ہم نے اپنے مضمون میں کچھ نکات کی طرف اشارہ کیا تھا لیکن یہ نکات جناب محمد یوسف صاحب کی توجہ اپنی طرف مبذول نہیں کر اس کے اور یہ نہیں نئے یا پہلے تصورات سے منفرد نہیں لگے۔ ہم دوبارہ کوشش کریں گے کہ اپنا نکتہ نظر ان پر واضح کر سکیں:

۱- اصلاح کا بنیادی ٹارگٹ فرد ہونا چاہیے کہ وہی ہر قسم کی اجتماعی تبدیلی کی بھی بنیاد ہے، لیکن اگر ہم اپنے معاشرے کی بڑی دینی تحریکوں اور اداروں کو دیکھیں تو جماعت اسلامی کا کام عملاً انقلاب امامت یعنی حکومتی تبدیلی بذریعہ اسلامی جمہوریت والیکشن اور نفاذ شریعت بذریعہ اسلامی قانون ہے۔ اس طرح جماعت فرد کی اصلاح کو فوکس ہی نہیں کر سکی۔ تبلیغی جماعت کا تصور دین سے فرد کی ایسی کامل اور متوازن تبدیلی کی طرف لاتا ہی نہیں جو معاشرے میں اجتماعی تبدیلی کی بنیاد بن سکے۔ دینی مدارس و مساجد کا سارا کام مسلک پرستی کی نظر ہو جاتا ہے اور تزکیے کا کام اکثر و بیشتر موروثی گدی نشینوں کا کاروبار بن کر رہ گیا ہے۔ تعلیم و تربیت دینی کارکنوں کے لیے عمدہ بزنس ہے۔ ان حالات میں فرد کی متوازن تعمیر شخصیت اور کردار سازی کے لیے محنت کرنے کی خاطر نئی دینی تحریک کی ضرورت ہے۔

ii- اگر فرد پر فوکس کیا جائے اور اس سے مراد متوازن تعمیر شخصیت اور کردار سازی کے ذریعے قرآن کا انسان مطلوب تیار کرنا ہو جس کا بنیادی ذریعہ تعلیم کتاب و حکمت اور تزکیہ ہے تو اس کے نتیجے میں لازماً معاشرے کی اصلاح ہوگی۔ معاشرے کی اصلاح سے مراد اتنا ہی نہیں کہ لوگ نمازیں پڑھنے لگیں اور روزے رکھنے لگیں بلکہ اس سے مقصود اسلامی اجتماعیت کا احیا بھی ہے۔ اس وقت جو تصور دین ہمارے ہاں مروج ہے، اس کے نتیجے میں اہل دین معاشرے سے غیر مرتبط ہیں۔ نتیجہ یہ ہے کہ اہل دین معاشرے یا آج کی اصطلاح میں سول سوسائٹی کہہ لیجئے، اس سے غیر متعلق ہیں اور یہی ان کی ناکامی کا سبب ہے۔ نئی تحریک کی ضرورت اسی لیے ہے کہ وہ سول سوسائٹی کو متحرک کرے اور اس کے لیے ضروری ہے کہ نئی تحریک سے وابستہ لوگ سول سوسائٹی کی مشکلات کو اپنی مشکلات سمجھیں اور ان کے حل کرنے کے لیے جدوجہد کریں۔ ماضی میں مسلمان مصلحین کی بنیادی پالیسی ہی یہ ہوتی تھی کہ اللہ سے محبت اور اس کی مخلوق سے محبت لہذا خدمت خلق اس کا لازمی جزو ہوتا تھا۔ آج اس روایت کو زندہ کرنے کی ضرورت ہے۔

iii- دینی سیاسی جماعتوں نے مغرب کی ملحدانہ فکر و تہذیب کے سیاسی نظام کے بنیادی ادارے جمہوریت میں کچھ اسلامی اصول داخل کر کے اسے اسلامی جمہوریت قرار دے دیا، لیکن اس کے نتیجے میں معاشرے میں اسلام تو نہیں آیا البتہ مغربی فکر و تہذیب کا سیلاب ہماری اکثر اخلاقی اور معاشرتی اقدار کو بہا کر لے گیا ہے۔ سیاست مکمل طور پر سیکولر ہو چکی ہے۔ بین الاقوامی طاقتوں اور ان کے ایجنٹ مقامی حکمرانوں اور ان کی خفیہ ایجنسیوں نے دینی عناصر کو ایک دوسرے سے لڑا کر اور انہیں انتشار و افتراق میں مبتلا کر کے ادھموا کر دیا ہے اور مستقبل قریب میں بظاہر ان کی کامیابی کی کوئی صورت نظر نہیں آتی اور

نہی دینی سیاسی جماعتیں اپنے ڈھب بدلنے پر تیار ہیں۔ ان حالات کا تقاضا ہے کہ ایک طرف دینی سیاسی عناصر کو اس چیلنج سے نمٹنے کے لیے مفید مشورے اور تجاویز دی جائیں تو دوسری طرف پاکستانی معاشرہ سیکولرزم اور مادہ پرستی کی راہ پر جس بگٹھ طریقے سے تباہی کے گڑھے کی طرف دوڑ رہا ہے، اس کو سنبھالنے کے لیے غیر سیاسی دینی کام منظم طریقے سے کیا جائے۔

iv۔ دینی سیاسی جماعتیں اپنے سیاسی کام میں اتنی مہمک ہیں کہ ان کے پاس اور کسی کام کے لیے وقت نہیں اور اقتدار ان کے نزدیک وہ واحد نسخہ کیما ہے جو سارے مسائل حل کر سکتا ہے۔ اس پر وچ کی وجہ سے وہ ہر اجتماعی کام کو حکومت پر چھوڑ دیتی ہیں۔ اسی طرح دعوت و اصلاح کے کاموں میں مصروف دینی عناصر (مثلاً تبلیغی جماعت یا دینی مدارس وغیرہ) معاشرے کے سلگتے مسائل سے عملاً دور ہیں اور ان کے حل کی طرف ان کی توجہ نہیں ہے۔ مثلاً اگر محلے کے لوگ نماز نہ پڑھیں تو ان کے نزدیک یہ اسلامی مسئلہ ہے، لیکن اگر محلے کا ایک فرد بھوک سے خودکشی کر لے تو یہ ان کا درد نہیں ہے حالانکہ یہ مسائل اگر دینی تناظر میں حل کر دیے جائیں تو آدھی سے زیادہ شریعت تو اسی طرح نافذ ہو جاتی ہے، لیکن ہمارے سیاسی و اصلاحی دونوں طرح کے دینی عناصر اس کام کو حکومت پر چھوڑ کر خود اس ذمہ داری سے گویا بری ہو گئے ہیں۔ حالانکہ بہت سے کرنے کے کام ایسے ہیں جو وہ حکومتی مدد کے بغیر کر سکتے ہیں۔ مثلاً اکثر تعلیمی ادارے اس وقت پرائیویٹ سیکٹر میں ہیں تو دینی عناصر کیوں نہیں تعلیم و تربیت کو اسلامی بنیادوں پر استوار کر سکتے؟ وہ وکلاء اور ججوں کی اسلامی قانون میں تربیت اور کردار سازی کے لیے ادارے کیوں نہیں بناتے؟ غریبوں کو خود کشیوں سے بچانے کے لیے وہ کیوں منظم کوشش نہیں کرتے؟ عامۃ الناس کو میڈیا کی فحاشی و عریانی سے بچانے اور انہیں متبادل ذرائع مہیا کرنے کے لیے دینی عناصر کیوں حرکت میں نہیں آتے؟ اس وقت ان کاموں کو کرنے کے لیے اگر کوئی دینی قوت موجود نہیں تو اس کے لیے ایک نئی دینی تحریک کیوں نہ اٹھائی جائے؟

دینی سیاسی جماعتوں کی ناکامی اور غیر سیاسی دینی عناصر کی بے عملی ہی کا یہ نتیجہ ہے کہ کچھ دینی عناصر نے نفاذ اسلام بذریعہ طاقت کا راستہ اپنا لیا ہے جس کی وجہ سے ملک میں شدید کشت و خون ہو رہا ہے۔ اگر ہمارے غیر سیاسی دینی عناصر ایٹھوز کی بنیاد پر منظم و متحرک ہو کر نتیجہ خیز جدوجہد کریں تو جن عناصر نے نفاذ شریعت نہ ہونے کی وجہ سے اسلحہ اٹھا لیا ہے تو انہیں اس کی ضرورت ہی نہیں رہے گی۔ دینی عناصر اور رسول سوسائٹی کو اس جدوجہد پر اکسانے اور اس میں شامل کرنے کے لیے نئی تحریک کی ضرورت ہے۔

v۔ ہمیں تسلیم ہے کہ دین ایک گل ہے جس میں سیاسی و غیر سیاسی ہر طرح کے کام شامل ہیں لہذا شرعی نقطہ نظر سے سیاسی اور غیر سیاسی دینی کاموں میں تفریق ایک بے معنی عمل ہے لیکن ہم یہ تفریق شرعی لحاظ سے نہیں بلکہ انتظامی لحاظ سے زیر بحث لا رہے ہیں کیونکہ حقیقت یہ ہے کہ سیاسی جدوجہد اب کسی شخص کے لیے بھی ایک فل ٹائم جاب سے کم نہیں ہے اور جو آدمی اسلام کے لیے سیاسی جدوجہد کر رہا ہو اس کے لیے دعوت و اصلاح اور دیگر دینی کاموں کے لیے وقت نکالنا مشکل ہے اور اس کے برعکس بھی صحیح ہے۔ لہذا اس کا حل یہی ہے کہ پورے دین کو مانتے ہوئے اپنی عملی جدوجہد کو کسی ایک شعبے کی اصلاح پر مرکوز کیا جائے اور اسے جزوی کام تسلیم کیا جائے اور دوسروں کے دینی کاموں کی بھی قدر افزائی کی جائے۔

vi۔ جناب محمد یوسف صاحب کے نزدیک مجوزہ تحریک کا لائحہ عمل احتجاجی اور مزاحمتی ہونا چاہیے؛ یہ بات قابل غور ہے۔ لیکن ہماری رائے یہ ہے کہ احتجاج، مزاحمت اور دباؤ سے کوئی مسئلہ تو حل ہو سکتا ہے، ظلم کو تو روکا جاسکتا ہے، اپنے حقوق تو حاصل کیے جاسکتے ہیں لیکن یہ طریقہ رد عمل کی نفسیات پیدا کرتا ہے اور نیکی پر چلنے کی متبادل اساس اور محرک فراہم نہیں

کرتا۔ اس کے لیے ہمارے نزدیک اصلاحی طریقہ زیادہ موزوں ہے۔ اصلاحی طریقے سے دل و دماغ کو بدل کر جو مستقل تبدیلی آتی ہے، ہمارے ممدوح کے دائرہ فکر کو اس کی سمجھ شائد نہ آئے لیکن تاریخی حقائق کا انکار کون کر سکتا ہے۔ آدھی مسلم دنیا کو تاراج کرنے والے منگولوں کو کس نے زیر کیا؟ دنیا کے سب سے بڑے اسلامی ملک انڈونیشیا (اور ساتھ جڑے ملائیشیا) پر اسلامی پرچم کس نے لہرایا؟ خود برصغیر میں اسلام کی اشاعت کس کی مرہون منت ہے؟ ہم کسی روایتی صوفیانہ تحریک کی بات نہیں کر رہے بلکہ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ کردار سازی اور پُر امن معاشرتی تبدیلی کے لیے مزاحمتی کی بجائے اصلاحی طریقہ ہماری رائے میں زیادہ اقرب الی الصواب اور قابل عمل ہے اور اس وقت اس طریقے پر متوازن انداز سے عمل کرنے کے لیے کوئی ادارہ اور تحریک موجود نہیں ہے لہذا اس خلا کو پُر کرنے کے لیے ہم نے ایک نئی تحریک کی ضرورت کا تصور پیش کیا ہے۔

یہ وہ چند گزارشات تھیں جو ہم اپنے موقف کی مزید وضاحت کے لیے پیش کرنا چاہتے تھے۔ جناب محمد یوسف صاحب اگر ان پر غور فرمائیں تو امید ہے کہ ہمارا موقف ان کی سمجھ میں آجائے گا خواہ وہ اس سے عمل اتفاق نہ بھی کر سکیں۔

الشريعة ا카데미 گوجرانوالہ کے زیر اہتمام

اردو زبان میں اسلامی ویب سائٹس

[www.hajjatulwada.com](http://www.hajjatulwada.com)

[خطبہ حجۃ الوداع کا جامع متن، تخریج و ترجمہ اور مولانا زاہد الراشدی کے توضیحی محاضرات]

[www.alsharia.org](http://www.alsharia.org)

[ماہنامہ الشریعہ کے مضامین و مقالات اور الشریعہ ا카데미 کی تعلیمی و تربیتی سرگرمیاں]

[www.sarfrazsafdardar.org](http://www.sarfrazsafdardar.org)

[شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر کی یاد میں ماہنامہ الشریعہ کی

خصوصی اشاعت کے مندرجات اور حضرت رحمہ اللہ کا درس تفسیر]

[www.abdulhameedsawati.org](http://www.abdulhameedsawati.org)

[مفسر قرآن حضرت مولانا صوفی عبدالحمید سواتی رحمہ اللہ کی

حیات و خدمات کا تعارف، تصانیف اور دروس]